امتحان

مرزا فرحت اللہ بیگ

(1883ء۔۔۔1947ء)

ابتدائی حالات:

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی میں پیدا ہوئے اور سینٹ اسٹیفنز اسکول دہلی سے بی اے کیا ۔زمانہ طالبعلمی میں ڈرامے اور کرکٹ کا شوق رہا 1907۔ میں حیدر آباد دکن چلے گئے اور پہلے تعلیم اور پھر عدالت کے محکموں سے وابستہ رہے۔ وہ ترقی کرتے کرتے ہوم سیکرٹری کے عہدے تک پہنچ گئے جہاں سے ریٹائرڈ ہوئے اور پینشن حاصل کی۔ انہوں نے حیدر آباد ہی میں وفات پائی۔

اسلوب نگارش:

مرزا فرحت اللہ بیگ کا طرز تحریر سادہ اور پر لطف ہے۔ ہو بڑے سے گفت انداز میں دلی کی خاص زبان لکھتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں میں تصنع اور بناوٹ، نام کو نہیں۔ مزاقی چاشنی، ان کی تحریر میں خاص لطف دیتی ہے۔ بقول رشید احمد صدیقی:

"فرحت کے اسلوب کی نمایاں خوبی فقروں کا اختصار ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے فقروں سے رواں دواں عبارت کا جادو جگاتے ہیں۔ فرق کی تحریروں میں اسلوب کی یہ کہاں یکسانیت، قائم رہتی ہے۔ وہ ایک مضمون کو جس رنگ میں شروع کرتے ہیں، اسی رنگ میں انجام تک پہنچاتے ہیں ۔"

تصانیف:

مرزا فرحت اللہ بیگ کی ابتدا میں "مرزا الم نشرح" کے قلمی نام سے لکھتے رہے۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور عظمت اللہ خان نے ان کی ہمت بڑھائی اور اپنے اصل نام سے لکھنے لگے۔ "نذیر احمد کی کہانی"۔ "پھول والوں کی سیر" اور "دلی کا ایک یادگار مشاعرہ" ان کی یادگار مضامین ہے۔

ان کے مضامین "مضامین فرحت" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ "میری شاعری" ان کے کلام کا انتخاب ہے۔

مُشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اشک شوئی	آنسو پونچھنا، تسلّی دینا	امدادِ غیبی	غیب سے ہونے والی امداد
بدرجہ اعلیٰ	اعلیٰ درجے کے ساتھ	تشفی	تسلّی، تسکین
خادم زادہ	خادم کا بیٹا	کمترین	ناچیز، معمولی
محویت	محو ہونا، ہٹ جانا	مختل	پریشان، بگڑا ہوا

مستغرق	ڈوبا ہوا، بہت مصروف	نادم	شرمندہ
ممنونِ احسان	احسان مند	قہرِ درویش برجانِ درویش	اپنے آپ پر غصہ نکالنا

سبق کا خلاصہ

زیر نظر مضمون مرزا فرحت اللہ بیگ کے مجموعے "مضامین فرحت" سے لیا گیا ہے۔ مصنف نے واضح کیا ہے کہ امتحان میں کامیابی کے لئے اس شخص میں نے تو قدرت کی مدد ہی سے کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ مضمون نگار امتحان سے نہیں گھبراتا کیونکہ وہ پڑھائی کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتا اور کمرہ امتحان میں امداد غیبی کا منتظر رہتا ہے۔ مجھے اپنے دوستوں پر ہنسی آتی ہے، جن کی شکل امتحان کے دنوں میں کتنی سے نکل آتی ہے۔ جو انسان کے دنوں میں سب کچھ بھول کر امتحان کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ مضمون نگار اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے تقریباً دو سال کا وقت دوستوں کے ساتھ گھومتے ہوئے۔ گزارا واپسی پر کلاس میں جان لیتا، منشی صاحب دوست جس کی وجہ سے حاضری لگوانے میں بھی کوئی مشکل پیش نہ آتی تھی۔ گھر والوں نے امتحان کی تیاری پر بھرپور توجہ دیں۔ میرے لئے الگ کمرے کا انتظام کر دیا، میں نے یہ کیا کہ کمرے کے سیشن پر کاغذ کا

جبکہ میں سات بجے ہیں بیٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا ہوتا تھا اور سکون سے صبح 9 بجے اٹھتا۔ اس دوران اگر کوئی بلاتا بھی تو میں پڑھائی میں خلل کا سوچ کر خاموش رہتا۔ والدین نے کئی دفعہ یہ بھی کہا کہ اتنی محنت نہ کیا کرو لیکن میں کہتا تھا کہ کسی بھی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ذاتی محنت ہی کام آتی ہے کیونکہ نون کے بغیر اچھا مقام حاصل کرنا مشکل ہے۔

اصل میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے یہاں ان طالب علموں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو امتحان میں تو بڑی سند ھو مت سے شریک ہوتے ہیںلیکن پڑھائی سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔

آخر کار جیسے ہی امتہان کے دن قریب آنے لگے میں نے امتحان میں شرکت نہ کرنے کے بہانے تلاش کرنا شروع کر دیے والد صاحب کہہ رہے تھے کہ اتنی محنت کی ہے تو اب شرکت بھی کرو۔ کامیابی اور ناکامی تو اللہ تعالی کے ہاتھ میں۔ اخیر امتحان میں کامیابی کی امید لیے تقریباپونے دس بجے کرہ امتحان میں داخل ہوگیا یہ خیال کرتے ہوئے کی ضرور کوئی نہ کوئی غیبی امداد میسر آئے گی ۔تقدیر کی کامیابی محسوس کرتے ہوئے نگران کو کچھ نرم دل پایا اور سمجھا کہ بیڑہ پار ہے اس کے برعکس نگران عملہ اس قدر سخت تھا کہ ہر وقت ناگہانی بلا کی طرح سر پر ہی سوار رہتے تھے۔ جیسے ہی کوئی ناجائز حربہ یا دائیں بائیں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو فورا آواز آتی اپنے پرچے پر نظر رکھیں۔ گارڈ صاحب کے بتانے پر ہی معلوم ہوا کہ پرچہ اصول قانون کا ہے اس پر زوردار لکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا پورا وقت مراتہ ان میں گزارتا باہر آکر والی صاحب کو مشکل پر کسی تائید کرتا ہے۔ انسان کے

خبر سُنی۔ نتیجہ سن کر والد صاحب اور دوسرے احباب کا خیال یہ تھا کہ کسی چپڑاسی نے لڑکے کے پرچے تبدیل کر دیے ہیں۔ کیونکہ تعجب کی بات یہ ہے کہ مسلسل تین گھنٹے لکھنے والے کو صفر نمبر تو نہیں ملتا۔ سب نے ممتحن اور نگران عملے کو برا بھلا کہا اور مجھے تسلی دی کہ اس سال نہیں تو اگلے سال سہی، آخر کب تک بے ایمانی ہوگی۔ میں خوش تھا کہ ایک سال اور فرصت سے گزارنے کا موقع مل گیا۔

مرکزی خیال:

اس کہانی کا مرکزی خیال یہ ہے کہ کسی بھی امتحان میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ذاتی محنت ہی کام آتی ہے۔ اگر محنت اور دلجمعی سے امتحان کی تیاری نہ کی جائے تو طالب علم کامیابی کے لیے ناجائز ذرائع کا استعمال کرتا ہے جس سے سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اپنی دانست میں وہ دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے لیکن درحقیقت وہ خود فریبی کا شکار ہوتا ہے اور اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتا۔